۱۴ اوٹی کی سَیر

پہلی بات

گھر کے یکساں ماحول سے جب آدمی اُکتا جاتا ہے تو اُس کے دِل میں گھومنے پھرنے اور نئے مقامات دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔
یہ تصویر دیکھیے۔ یقیناً اس تصویر کو دیکھ کر آپ کے دل میں کشمیر جیسے مقام کی سیر کی خواہش پیدا ہوگئی ہوگی۔ کشمیر بھارت کے شمال میں انتہائی سرد اور خوب صورت مقام ہے۔ بھارت کے جنوب میں نیل گری پہاڑی سلسلے کی ایک بلند چوٹی پر اوٹی بھی کشمیر کی طرح ایک صحت افزا مقام ہے۔ وہاں کے پہاڑ اگرچہ کشمیر کے پہاڑوں کی طرح برف سے ڈھکے ہوئے نہیں مگر بلندی کی وجہ سے اوٹی بہت سرد مقام بن گیا ہے۔ یہاں کے قدرتی مناظر نہایت خوب صورت ہیں۔
آیئے اب ہم اس سبق میں اوٹی کی سیر کرتے ہیں۔

ریاست تمل ناڈو میں اوٹی ایک صحت افزا مقام ہے۔ نیل گری پہاڑ پر بسا ہوا یہ شہر سیاحوں کی جنت کہلاتا ہے۔ کرناٹک کی راجدھانی بنگلورو سے اوٹی تین سو کلومیٹر دور ہے۔ بنگلورو سے ہم پہلے میسور پہنچے۔ یہاں چڑیا گھر اور راجا کا محل دیکھنے کے لائق ہے۔ راستے ہی میں ہم نے ٹیپو سلطان شہید کے شہر سری رنگا پٹن کو دیکھا۔ وہاں اب قلعے کی ویرانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہاں، ٹیپو سلطان کی مسجد اور ان کا بنایا ہوا مندر آج بھی ماضی کی قومی یکجہتی اور سلطان کی رواداری کا اعلان کر رہے ہیں۔ ہم نے ان کے مقبرے کی بھی زیارت کی جہاں ٹیپو سلطان کے ساتھ ان کی والدہ اور والد حیدر علی کی قبریں ہیں۔ دنیا کا مشہور ورِنداون گارڈن یہاں سے قریب ہے جہاں موسیقی پر رقص کرنے والے پانی کے فواروں کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔
اب اگلے پڑاؤ پر اوٹی پہنچنے کے لیے ہماری ٹیکسی تیار تھی۔ راستے کے دونوں طرف دور دور تک پھیلے ہوئے جنگلوں سے گاڑی گزر رہی تھی۔ اللہ تیری قدرت! جدھر دیکھو، زمین سبز لباس زیب تن کیے ہوئے سحر انگیز سماں پیش کر رہی تھی۔ ابھی ہم بیس کلومیٹر کا بھی راستہ طے نہ کر پائے تھے کہ جنگلوں میں گھرا ہوا بنڈی پور آ گیا۔ یہ جنگلی جانوروں کا مامن ہے۔ یہاں ہر طرف خرگوش پُھدکتے اور ہرن چوکڑیاں بھرتے نظر آتے ہیں۔ پرندے بھی یہاں کئی اقسام کے پائے جاتے ہیں۔ دیکھنے والا سوچتا رہ جاتا ہے کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں۔
پہاڑ پر چڑھتے ہوئے ٹیکسی کی رفتار کم ہوئی تو ہم نے سامنے کے شیشے سے باہر دیکھا۔ راستہ لہراتے بل کھاتے سانپ کی طرح دِکھائی دے رہا تھا۔ یہ پُر پیچ راستہ نیل گری پہاڑ کی انتہائی چوٹی پر بسے اوٹی پہنچنے کے لیے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس راستے پر دوسری جانب سے آنے والی سواری کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے گویا وہ ہماری ٹیکسی سے آگے نکل کر اوٹی جا رہی ہو۔ چکردار راستہ ہمارے دل میں خوف پیدا کر رہا تھا مگر باہر کے دلکش نظارے اِس خوف کو زائل بھی کر رہے تھے۔

اوٹی سے قریب قریب ایک جگہ ہموار راستہ آیا تو ایک پُل کے پاس ڈرائیور نے ناشتے کے لیے گاڑی روک دی۔ اس پل کے نیچے سے بہنے والی ندی پہاڑی چٹانوں سے پھسلتی ہوئی آبشار بن کر آہستہ آہستہ نیچے گرتی نظر آتی ہے۔ اس آبشار کے پانی میں گھن گرج اور شور نہیں تھا مگر چٹانوں سے پانی کا پھسلنا آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہا تھا۔

دن کے ڈھائی تین بجے ہم اوٹی پہنچ گئے۔ ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لیا اور کھانے سے فارغ ہو کر لیٹ گئے۔ خنک ہوا سے آنکھ جو لگی تو بے خبر سو گئے۔ جب آنکھ کھلی، سوُرج غرُوب ہونے کے قریب تھا۔ جلدی جلدی تیار ہو کر ڈوبتے سورج کا منظر دیکھنے کے لیے ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔ سورج زمین کی گود میں چھپا جا رہا تھا۔ واپس لوٹے تو شام کا دھندلکا رات کے اندھیرے میں گم ہو رہا تھا مگر اوٹی کی سڑکیں اور چوراہے روشنی میں نہا رہے تھے۔

ٹھنڈے موسم کی وجہ سے ہم نے رات کا کھانا کمرے ہی میں منگوا لیا۔ کھانا کھانے کے بعد دیر رات تک گپ شپ کرتے رہے۔

صبح آنکھ کُھلی تو ہوٹل میں بڑی گہما گہمی کا عالم تھا۔ ہر شخص جلد سے جلد ہوٹل سے نکل کر سن رائز پوائنٹ پر پہنچنا چاہتا تھا۔ لوگوں کے ساتھ ہم بھی نکل پڑے۔ بچوں کا اشتیاق کچھ زیادہ ہی تھا۔ سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے وہ ہمارے ساتھ طلوع ہوتے سوُرج کا منظر دیکھنے کے لیے آ گئے۔ شفق کی لالی دھیرے دھیرے زرد ہونے لگی اور زمین کی اوٹ سے نکلتے سورج نے اپنا چہرہ دِکھایا۔ پرندوں کی چہکار اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کی سرسراہٹ میں یہ منظر دل کو موہ لینے والا تھا۔ سورج نکلنے کا نظارہ کرنے کے بعد ہم اوٹی کا مشہور گورنمنٹ بوٹانیکل گارڈن دیکھنے کے لیے چل پڑے۔ باغ کے صدر دروازے ہی سے خوش نما سبزہ زار نظر آیا جہاں روش روش پر پھولوں کی رنگینیاں بکھیرتی قطاریں فضا کو معطّر کر رہی تھیں۔ ہر طرف پھول ہی پھول نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کیسے کیسے رنگوں کا حسن ان پھُولوں میں بکھرا ہوا تھا۔ یہاں سبزہ زار پر چلنے پھرنے کی ممانعت ہے مگر موقع پاتے ہی ہمارے بچے کہیں کہیں ہریالی پر دوڑ لگا ہی لیتے تھے۔

اس گلشن کی سیر کے بعد ہم ٹیکسی کے ذریعے ’ڈوڈا بٹّا‘ پہنچے۔ یہ نیل گری کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ یہاں سے اوٹی اور اطراف کی بستیوں کے اونچے اونچے مکانات بچوں کے کھلونوں کی مانند دِکھائی دیتے ہیں۔

پہاڑ کی بلندی اور کھائی کی گہرائی کے خوف کو ہم نے وہاں کی مزے دار چائے پی کر دور کیا۔ ہری ہری پتّیوں سے بنائی ہوئی

یہ چائے ڈوڈابٹّا کا مشہور مشروب ہے۔ چوٹی سے اُترتے وقت ایک جگہ ٹیکسی روک کر کچھ لوگوں نے اسی چائے سے ہماری ضیافت کی۔ سیاحوں کو مفت چائے پلا کر یہ لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں۔

ہمارے بچے اب جھیل کی سیر کے لیے بے چین دِکھائی دے رہے تھے اس لیے ٹیکسی کا رُخ ہمیں جھیل کی طرف کرنا پڑا۔ پہاڑ کی بلندی پر یہ جھیل انسانی کاری گری کا عجیب نمونہ ہے۔ جھیل کی سیر کرنے کے لیے اسٹیمر، بادبانی کشتیاں اور چپّو سے چلنے والی کشتیاں وہاں بہ آسانی دستیاب ہیں۔ ہم نے ایک کشتی کرائے پر لی اور مزے لے لے کر جھیل کی سیر کرتے رہے۔

کشتی ہی میں بچوں نے پہاڑی ریل گاڑی میں بیٹھنے کا منصوبہ بنا لیا۔ جھیل کی سیر کے بعد ہم ریلوے اسٹیشن پہنچے اور ٹکٹیں خرید کر ریل گاڑی میں بیٹھ گئے۔ یہ ریل گاڑی دیگر ریل گاڑیوں سے مختلف ہے اور نہایت دھیمی رفتار سے پہاڑی کے نشیب وفراز میں اُترتی چڑھتی ہے۔ عام طور پر ریل گاڑی دو پٹریوں پر چلتی ہے مگر اس گاڑی کی تین پٹریاں ہیں۔ دو پٹریوں کے بیچ کی پٹری دندانے دار ہے اور ہر ڈبے کے نیچے اس پر چلنے والا پہیّہ بھی دندانے دار لگایا گیا ہے۔ جب یہ ڈھلان میں اُترتی ہے یا بلندی پر چڑھتی ہے تو پہیہ بیچ کی پٹری کے کھانچوں میں پھنس کر گاڑی کو پھسلنے سے روکتا ہے۔ یہ گاڑی جب پہاڑیوں میں چکّر کاٹتی ہے تو پہاڑی کے دامن میں پھیلے ہوئے قدرتی مناظر بڑے حسین دِکھائی دیتے ہیں۔ ڈبے میں بیٹھے بیٹھے ہمیں نیل گری پہاڑ میں آباد 'ٹوڈا' قوم کی جھونپڑیاں بھی نظر آئیں۔ ہندوستان کی قدیم ترین دراوڑ قوم میں ان لوگوں کا شمار ہوتا ہے۔ سائنس کی ترقّی کے زمانے میں بھی اُنھوں نے اپنی قبائلی طرزِ معاشرت کو نہیں چھوڑا۔ کاشت کاری اور گلّہ بانی کے پیشے میں مست یہ لوگ دنیا کی رنگینیوں سے بے پروا ہیں۔

اوٹی کی سیر تقریباً ختم ہوئی تو ہم واپسی کے سفر کی تیاری کرنے کے لیے ہوٹل لوٹ آئے۔ سیّاحوں کی طرح ہم نے بھی یہاں کے دُم دار سیب اور اوٹی کے مشہور نیل گری کے تیل کی چند شیشیاں خرید لیں۔ ڈیڑھ دو بجے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ راستے میں بھارت کا مشہور فلمی صنعتی مرکز دیکھا۔ فلموں میں دِکھائے جانے والے اَن گنت مناظر یہاں کے میدانوں، جنگلوں اور پہاڑیوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ رات گیارہ بجے بنگلورو سے ہماری ٹرین تھی اس لیے بنگلورو پہنچ کر ہم نے اسٹیشن سے قریب کے بازار سے بچوں کے لیے کھلونے اور مٹھائیاں خریدیں اور ریلوے اسٹیشن پر آ گئے۔ ٹرین میں اپنا سامان سیٹوں کے نیچے رکھ کر ہم اطمینان سے بیٹھ گئے اور گاڑی چھوٹنے کا انتظار کرنے لگے۔

معنی و اشارات

رواداری	-	سب کے ساتھ یکساں سلوک
زیب تن کرنا	-	پہننا
سحر انگیز	-	جادو بھرا، جادو کا اثر پیدا کرنے والا
چوکڑیاں بھرنا	-	دوڑنا
پُر پیچ	-	پیچ دار، گھماؤ والا
خنک	-	سرد
دھندلکا	-	شام کا ہلکا اندھیرا
گہما گہمی	-	بھاگ دوڑ، جلدی جلدی کام کرنا
اشتیاق	-	شوق
معطر کرنا	-	خوشبو پھیلانا
مشروب	-	پینے کی چیز
نشیب وفراز	-	اُتار اور چڑھاؤ
دندانے دار	-	کھانچے والا
طرزِ معاشرت	-	زندگی گزارنے کا ڈھنگ

مشق

ٹیپو سُلطان کا مقبرہ

ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ صحت افزا مقام اوٹی کو اور کیا کہتے ہیں؟
۲۔ ٹیپو سلطان کی بنائی ہوئی مسجد اور مندر کس بات کا اعلان کر رہے ہیں؟
۳۔ ورنداون گارڈن کس لیے مشہور ہے؟
۴۔ نیل گری پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی کون سی ہے؟
۵۔ 'ٹوڈا' قوم کا شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے؟

مختصر جواب لکھیے :

۱۔ سبق میں جنگلی جانوروں کے مامن کے بارے میں کیا باتیں بتائی گئی ہیں؟
۲۔ سبق میں آبشار کے منظر کو کس طرح بیان کیا گیا ہے؟
۳۔ اوٹی میں چلنے والی پہاڑی ریل کی پٹریاں تین کیوں ہیں؟

نیچے دیے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے :

دل باغ باغ ہونا ، چوکڑیاں بھرنا ، آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانا ، آنکھ لگنا ، روشنی میں نہانا

صحیح جوڑیاں لگائیے :

	مقام	شہرت کی وجہ
۱۔	بنگلورو	ٹیپو سلطان کا شہر
۲۔	میسور	راجا کا محل
۳۔	سری رنگاپٹن	کرناٹک کی راجدھانی
۴۔	بنڈی پور	نیل گری پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی
۵۔	اوٹی	بوٹانیکل گارڈن
۶۔	ڈوڈا بٹّا	جنگلی جانوروں کا مامن

سبق میں بوٹانیکل گارڈن کی منظر کشی کن الفاظ میں کی گئی ہے؟

ذیل کا جملہ غور سے پڑھیے :
”کاشت کاری اور گلہ بانی کے پیشے میں مست یہ لوگ دنیا کی رنگینیوں سے بے پروا ہیں۔“
اس جملے میں کاشت کاری یعنی کھیتی کرنے اور گلہ بانی یعنی جانور کے ریوڑ کی نگہ بانی کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ یہ ترکیبیں دو دو لفظوں سے مل کر بنی ہیں : کاشت + کاری، گلہ + بانی۔

✍ قوس میں دیے ہوئے لفظوں میں سے مناسب لفظ چن کر خانہ پُری کیجیے :

۱۔ .... + کاری (فن، فوج، سحر)

۲۔ .... + گری (دوکان، جادو، شتر)

۳۔ .... + سازی (گھر، شجر، گھڑی)

۴۔ .... + گیری (کشتی، ماہی، چرخہ)

۵۔ .... + بانی (نظر، چشم، نگہ)

۶۔ .... + زنی (ڈاکا، فریب، دھوکا)

سیر بین

کسی تاریخی مقام کی سیر کو جائیے۔

سرگرمی / منصوبہ :

اپنے استاد کی مدد سے ورنداون گارڈن کی مزید معلومات حاصل کیجیے اور اس کی تصویریں بھی حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔

اضافی معلومات

اضافت

ذیل کے جملے غور سے پڑھیے:

۱۔ یہ جنگلی جانوروں کا مامن ہے۔

۲۔ وہاں اب قلعے کی ویرانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

۳۔ مکانات بچوں کے کھلونوں کی مانند دِکھائی دیتے ہیں۔

درج بالا جملوں میں جانوروں کا مامن / قلعے کی ویرانی / بچوں کے کھلونوں اِن فقروں میں دو اسموں کو جوڑا گیا ہے اور دونوں کو جوڑنے کے لیے حروف 'کا'، 'کی'، 'کے' استعمال کیے گئے ہیں۔ اس طرح کے لفظوں کے جوڑ کو 'اضافت' کہتے ہیں۔

دوسری مثالیں : مکان کا مالک / بچے کی کتاب / کھیل کے اُصول / باغ کا دروازہ / ان کی باتیں / پھولوں کے رنگ وغیرہ

اضافت میں حروف 'کا / کی / کے' 'حروفِ اضافت' کہلاتے ہیں۔ کا / کی / کے سے پہلے آنے والے الفاظ کو 'مضاف الیہ' کہتے ہیں اور ان کے بعد آنے والے الفاظ کو 'مضاف' کہا جاتا ہے۔ اس طرح مضاف الیہ، حروفِ اضافت اور مضاف کے ملنے سے بننے والا فقرہ 'اضافی ترکیب' کہلاتا ہے۔

- سبق 'اوٹی کی سیر' سے اضافی ترکیبوں کی پانچ مثالیں تلاش کیجیے۔ کیا اس سبق کا عنوان ایک اضافی ترکیب ہے؟

- مزید معلومات کے لیے ان ویب سائٹس کا استعمال کریں :

https://www.tourmyindia.com
http://www.mapsofindia.com

یہ سنسار ہمارا ہے

مسعود اختر جمالؔ

پہلی بات

ایک کسان کے تین بیٹے تھے؛ تینوں ایک سے بڑھ کر ایک کاہل۔ کسان نے مرتے وقت اُنھیں بتایا کہ ہمارے کھیت میں ایک خزانہ دفن ہے۔ اُسے نکال کر تم آپس میں بانٹ لینا۔ تینوں خوش ہوگئے۔ باپ کے مرنے کے بعد تینوں نے خزانے کی تلاش میں کھیت کو کھودنا شروع کیا۔ انھوں نے پورا کھیت کھود ڈالا مگر خزانہ نہیں ملا۔ تینوں بڑے مایوس ہوئے۔ ایک بوڑھے کسان نے مشورہ دیا کہ تم نے کھیت تو کھود ہی ڈالا۔ برسات سر پر ہے۔ اُس میں دانہ بھی ڈال دو تا کہ کچھ فصل ہاتھ آئے۔ تینوں نے بے دلی سے کھیت میں دانہ ڈالا۔ چار مہینے کے بعد کھیت میں ہری ہری فصل لہلہانے لگی۔ تینوں بہت خوش ہوئے۔ تب اُسی بوڑھے نے کہا، ”نادانو! تمھارے باپ کی وصیت سچی تھی۔ دراصل یہ لہلہاتی فصل ہی وہ خزانہ ہے جو کھیت میں دفن تھا۔ اسی طرح ہر سال محنت کروگے تو محنت کا پھل بھی ملے گا۔“

شاعر نے ’یہ سنسار ہمارا ہے‘ نظم میں محنت کش مزدوروں اور کسانوں کے جوش اور ولولے کو خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔ محنت ہی کا نتیجہ ہے کہ دُنیا اتنی حسین نظر آ رہی ہے۔

جان پہچان

اس گیت کے شاعر کا اصلی نام عبدالحمید اور ادبی نام ’مسعود اختر جمالؔ‘ تھا۔ وہ اُتر پردیش کے شہر دولی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ وہ مجازؔ، جاں نثار اخترؔ، کیفیؔ اعظمی وغیرہ کے ہم عصر تھے۔ وہ ایک ادیب، صحافی اور شاعر تھے۔ ترقی پسند خیالات کے حامل تھے۔ ان کے دو شعری مجموعے ’نورس‘ ۱۹۴۱ء میں اور ’لالۂ شاداب‘ ۱۹۷۹ء میں شائع ہو کر مقبول ہوئے۔

اَمرِت بادل بن کے اُٹھے ہیں، پربت سے ٹکرائیں گے
کھیتوں کی ہریالی بن کر، چھَب اپنی دِکھلائیں گے
دنیا کا دُکھ سکھ اپناکر، دنیا پر چھا جائیں گے

ذرّہ ذرّہ اس دنیا کا آج گگن کا تارا ہے
یہ دھرتی، یہ جیوَن ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے

دُکھ کے بندھن کٹ جائیں گے، سُکھ کا سندیسا آئے گا
دھرتی اب سونا اُگلے گی، بادل ہُن برسائے گا
محنت پر ہے جس کو بھروسا، محنت کا پھل پائے گا

اپنے ہی کس بل کا سمندر وقت کا بہتا دھارا ہے
یہ دھرتی، یہ جیوَن ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے

سپنوں کے سُندر آنچل سے آشا رُوپ دِکھاتی ہے
اپنی ہی آواز کی لے پر ساری دُنیا گاتی ہے
آج ہماری آوازوں میں بجلی سی لہراتی ہے
ہری بھری فصلوں سے دنیا خوشیوں کا گہوارہ ہے
یہ دھرتی ، یہ جیون ساگر ، یہ سنسار ہمارا ہے

خلاصۂ کلام

اس گیت میں محنت کرنے والوں کی اُمید اور خوشی کو خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے مثلاً کسانوں کو یقین ہے کہ بادل آئیں گے، برسیں گے اور کھیتوں کو ہرا کر دیں گے۔ نیا موسم نئی خوشیاں لے کر آئے گا۔ ان سب کے دکھ درد مٹ جائیں گے اور ان کی محنتوں کا صلہ انھیں مل جائے گا۔ کھیتوں میں پیدا ہونے والا اناج سب کے لیے سونا ہوتا ہے۔ فصلیں اچھی ہوں گی تو تنہا کسان ہی نہیں ساری دنیا کے لوگ خوش ہوں گے۔

معنی و اشارات

اَمرِت بادل	زندگی دینے والے پانی کے بادل	ہُن	سونا، دولت
چھب	صورت، جلوہ	کس بل	طاقت
جیون ساگر	زندگی کا سمندر	آشا	اُمید

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ بادل کس سے ٹکرائیں گے؟
۲۔ گگن کا تارا کسے کہا گیا ہے؟
۳۔ دھرتی کے سونا اُگلنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
۴۔ ہُن برسانے کا کیا مطلب ہے؟
۵۔ محنت کا پھل کون پاتا ہے؟
۶۔ دُنیا کس کی وجہ سے خوشیوں کا گہوارہ ہے؟

مختصر جواب لکھیے:

۱۔ نظم میں بارش برسنے کے کیا فائدے بتائے گئے ہیں؟
۲۔ شاعر یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ 'دکھ کے بندھن کٹ جائیں گے، سکھ کا سندیسا آئے گا'؟

وسعت میرے بیان کی

تیسرے بند میں شاعر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے انھیں اپنے الفاظ میں لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

اس نظم میں شامل ہندی لفظوں کی فہرست بنایئے۔

۱۶

اِنصاف

خلیل الرحمٰن قمر

پہلی بات اسکول میں کئی طلبہ مل جل کر رہتے ہیں لیکن ان میں کبھی نہ کبھی کسی بات پر اَن بن ہو ہی جاتی ہے۔ تب اسے سُلجھانے کے لیے کس کے پاس جاتے ہیں؟ اپنے استاد کے پاس۔ اگر یہی جھگڑا اسکول سے باہر دو لوگوں میں ہو جائے تو انصاف کے لیے وہ کہاں جائیں گے؟ عدالت میں۔

پرانے زمانے میں بھی لڑائی جھگڑے کی نوبت آ جاتی، تب لوگ بادشاہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ بادشاہ کے دربار کو ایک ایسی عدالت کی حیثیت حاصل تھی جہاں فریادیوں کی پکار سنی جاتی تھی اور بادشاہ انصاف کیا کرتا تھا۔

اس ڈرامے میں ایک بادشاہ کے دربار کا منظر پیش کیا گیا ہے۔

کردار

بادشاہ	وزیرِ اعظم
فریادی : کریم الدین	مجرم : امیر علی
گواہ : اکبر علی	چند درباری

(بادشاہ کا دربار۔ تخت پر بادشاہ سلامت براجمان ہیں۔ اُن کے نزدیک وزیرِ اعظم اور دونوں اطراف درباری ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ دروازوں پر پہرے دار نیزے سنبھالے ہوئے مستعدی سے پہرہ دے رہے ہیں۔ اچانک ڈھم ڈھم کی آواز سنائی دیتی ہے)

بادشاہ : (چونک کر) یہ نقارے پر چوٹ کیوں لگ رہی ہے؟

وزیرِ اعظم : عالم پناہ! شاید کوئی فریادی آیا ہے۔

بادشاہ : حاضر کیا جائے! ہم اسی وقت دربارِ عام میں اُس کی شکایت سنیں گے۔

وزیرِ اعظم : جو حکم عالم پناہ! (پہرے دار سے) فریادی کو حاضر کیا جائے۔

(پہرے دار فریادی سمیت اندر داخل ہوتا ہے۔ فریادی جھک کر آداب بجالاتا ہے)

بادشاہ : فریادی! اپنی پریشانی بیان کرو۔ تمھارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔

فریادی : حضور! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ پائی پائی جوڑ کر میں نے ایک بھینس خریدی تھی۔ میرے پڑوس میں ایک امیر آدمی رہتا ہے۔ اس کے پاس تو کئی بھینسیں ہیں۔ کل اس نے میری بھینس چُرا لی اور میرے گھر میں ایک مریل سی بھینس باندھ دی۔

بادشاہ : کیا تم نے اس سے شکایت کی تھی؟

فریادی : جی حضور! جب میں نے اپنی بھینس واپس مانگی تو اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھینس تو میری ہے۔ حضور! میں غریب آدمی ہوں۔ دودھ بیچ کر بڑی مشکل سے اپنے گھر کا خرچ چلاتا ہوں۔ کئی مرتبہ اُس کی منّت سماجت کر چکا ہوں لیکن اُس نے میری ایک نہ سنی۔ مجبور ہو کر میں نے کوتوال کی کچہری میں دعویٰ کیا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

چار و ناچار یہاں آنا پڑا۔ خدا کے لیے میری بھینس مجھے دلوائیے ورنہ میں بھوکوں مر جاؤں گا۔

بادشاہ : غم نہ کرو فریادی۔ اگر وہ تمھاری بھینس ہوئی تو تمھیں ضرور ملے گی۔ کہاں ہے وہ آدمی؟

فریادی : حضور! وہ بھی میرے ساتھ آیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک جھوٹا گواہ بھی ہے۔

بادشاہ : فوراً دونوں کو حاضر کیا جائے۔ (پہرے دار دوبارہ باہر جاتا ہے۔ اُس کے ساتھ دو آدمی اندر داخل ہوتے ہیں۔ بادشاہ سلامت کو سلام کرنے کے بعد ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں)

بادشاہ : تمھارا نام؟

امیر علی : حضور! میرا نام امیر علی ہے۔

بادشاہ : اور تمھارا؟

اکبر علی : ناچیز کو اکبر علی کہتے ہیں۔

بادشاہ : ہاں فریادی! ہم نے تمھارا نام نہیں پوچھا۔

کریم الدین: بندے کو کریم الدین کہتے ہیں عالی جاہ!

بادشاہ : ہاں تو امیر علی! کریم الدین نے اپنی بھینس کی چوری کا الزام تم پر لگایا ہے۔ تم اس بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟

امیر علی : عالم پناہ! مجھے افسوس ہے کہ اس نے ایسا گھناؤنا الزام مجھ پر عائد کیا۔ میرے پڑوسی جانتے ہیں کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ مجھے چوری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ کریم الدین مجھ سے وہ بھینس مانگ لیتا میں کبھی انکار نہ کرتا۔ حضور! میرے محلّے کا ہر شخص جانتا ہے کہ میرے پاس ایک ایسی بھینس ہے کہ دودھ دینے میں اس کی کوئی مثال نہیں۔

کریم الدین: حضور! یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ایسی بھینس تو میرے پاس تھی جو امیر علی کی بھینسوں سے زیادہ دودھ دیتی ہے۔ یہ مجھ سے اسے چھیننا چاہتا تھا۔ آخر میری بھینس چرا کر اس نے اپنے تھان پر باندھ لی۔

بادشاہ : کریم الدین! یہ بتاؤ جب تمھاری بھینس چوری ہوئی اس وقت تم کہاں تھے؟

کریم الدین: حضور! یہ رات کا واقعہ ہے۔ میں دن بھر کا تھکا ہارا سو رہا تھا۔ صبح جب بھینس کو چارہ ڈالنے کے لیے باڑے میں گیا تو اسے غائب پایا۔

بادشاہ : تمھارے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے کہ وہ بھینس واقعی تمھاری ہے؟

کریم الدین: نہیں حضور! میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں، کوئی میرا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔

بادشاہ : ہونہہ.....! تو اکبر علی! تم کریم الدین کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟

اکبر علی : حضورِ والا! میں ان کا پڑوسی ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان کے آنگن میں بندھی ہوئی بھینس ان ہی کی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک امیر آدمی کی بھینس کم دودھ دے اور ایک غریب آدمی جس کے پاس چارے کے پیسے بھی

مشکل سے جمع ہوتے ہیں، اُس کی بھینس زیادہ دودھ دیتی ہو۔ من گھڑت کہانیاں بنا کر دوسروں کا حق چھیننا کریم الدین کی پرانی عادت ہے۔

بادشاہ : تمھیں کیسے معلوم ہے کہ کریم الدین من گھڑت کہانیاں بنا کر دوسروں کا حق چھینتا ہے؟

اکبرعلی : حضور! ایک ماہ قبل اُس نے میری بکری پر بھی قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

کریم الدین: (بلند آواز میں) حضور! گواہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اسے تو میرے پڑوس میں آئے ہوئے مشکل سے پندرہ دن ہوئے ہیں۔

اکبرعلی : عالم پناہ! جھوٹ میں نہیں، یہ بول رہا ہے۔ میں پندرہ برس سے وہاں رہ رہا ہوں۔

کریم الدین: یہ جھوٹ ہے، سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔

بادشاہ : (کچھ سوچتے ہوئے) معاملہ کافی پیچیدہ ہے۔ اس کا حل ڈھونڈنے کے لیے یقیناً ہمیں کچھ وقت درکار ہے۔ وزیرِ اعظم! اس مقدمے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

وزیرِ اعظم : حضور! دونوں فریقوں کی باتیں سن کر مجھے کریم الدین پر شبہ ہورہا ہے۔

بادشاہ : (حیرت سے) وہ کیسے؟

وزیرِ اعظم : جیسا کہ کریم الدین نے کہا کہ اس کا ساتھ دینے کے لیے کوئی تیار نہیں، میرے شبہ کی بنیاد یہی ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ ایسا کیوں ہے؟

کریم الدین: حضور! میں ایک غریب آدمی ہوں اس لیے کوئی بھی میرا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ گاؤں کے اکثر لوگ امیر علی کے قرض دار بھی ہیں۔ وہ امیر آدمی ہے، سب اس کے خلاف گواہی دینے سے کتراتے ہیں۔

بادشاہ : اچھا کریم الدین! تم تھوڑی دیر کے لیے باہر جاؤ۔

کریم الدین: جو حکم سرکار۔ (کریم الدین دروازے سے باہر نکل جاتا ہے)

بادشاہ : امیر علی! تم کہتے ہو کہ تم نے وہ بھینس سال بھر پہلے خریدی ہے۔ بتاؤ تم نے کتنے میں خریدا تھا اسے؟

امیرعلی : دس ہزار روپے میں عالم پناہ۔

بادشاہ : تم دونوں کے یہاں آنے سے پہلے کریم الدین نے ہمیں بتایا ہے کہ بھینس کی ایک ٹانگ پر زخم کا نشان ہے۔ تم بتا سکتے ہو یہ زخم کس ٹانگ پر ہے؟

امیرعلی : (گھبراتے ہوئے) ج.....ج.....ج.....جی ہاں عالم پناہ! اُس کی اگلی دائیں ٹانگ پر واقعی ایک زخم ہے۔

بادشاہ : بہت خوب! کریم الدین نے یہ بھی بتایا تھا کہ اُس کی دُم پر کتّے کے دانتوں کے نشان ہیں۔ کیا واقعی؟

امیرعلی : جی ہاں حضور! ایک دفعہ میرے پالتو کتّے نے اسے کاٹ لیا تھا۔

بادشاہ : (بلند آواز سے) فریادی کریم الدین کو حاضر کیا جائے۔

پہرے دار: کریم الدین حاضر ہووووو!............... (کریم الدین اندر داخل ہوتا ہے)

بادشاہ : کریم الدین! کیا بھینس کی ٹانگ پر کوئی زخم ہے؟

کریم الدین: جی نہیں عالم پناہ! میں اُس کی بڑی حفاظت کرتا تھا۔

بادشاہ : کیا اس کی دُم پر کتے کے دانتوں کے نشان بھی ہیں؟

کریم الدین: جی نہیں حضور! کوئی نشان نہیں ہے۔

بادشاہ : (خوش ہوکر) تو آخر ہم نے مجرم کو پالیا۔ (اکبر علی اور امیر علی ڈر جاتے ہیں) امیر علی! تمھارا جھوٹ کُھل گیا ہے۔

(امیر علی اور اکبر علی سر جھکائے خاموش کھڑے رہتے ہیں)

بادشاہ : بھینس کی دُم پر کتّے کے دانتوں کے نشانات ایک من گھڑت بات تھی۔ تم سے سچ اُگلوانے کے لیے ہمیں یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ اتنے خوش حال ہونے کے باوجود تم نے ایک غریب آدمی پر ظلم کیا۔ ہمارا حکم ہے کہ امیر علی کے ساتھ اُس کے جھوٹے گواہ کو بھی قید خانے میں ڈال دیا جائے اور کریم الدین کو اس کی بھینس کے علاوہ شاہی خزانے سے بھی کچھ رقم دی جائے۔

(پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

معنی و اشارات

براجمان ہونا	بیٹھنا	شنوائی نہ ہونا	فریاد نہ سننا
مستعدی سے	چوکنا رہتے ہوئے	چار و ناچار	مجبوراً
عالم پناہ	مراد بادشاہ	من گھڑت	خود سے بنائی ہوئی بات، جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔
فریادی	فریاد کرنے والا		
منّت سماجت کرنا	خوشامد کرنا		

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ کریم الدین نے بادشاہ سے کیا فریاد کی؟

۲۔ وزیرِاعظم نے کریم الدین پر کس وجہ سے شک کیا؟

۳۔ لوگ امیر علی کے خلاف گواہی دینے سے کیوں کتراتے ہیں؟

۴۔ بادشاہ نے کیا فیصلہ سنایا؟

مختصر جواب لکھیے:

۱۔ اکبر علی نے کون سی تین جھوٹی باتیں کہیں؟

۲۔ بادشاہ کی کون سی دو باتیں من گھڑت تھیں؟

لکھیے کہ درج ذیل مکالمے کس نے ادا کیے:

۱۔ فریادی کو حاضر کیا جائے۔

۲۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔

۳۔ حضور! ایک ماہ قبل اُس نے میری بکری پر بھی قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

۴۔ یہ جھوٹ ہے۔سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔

۵۔ کیا اس کی دُم پر کتّے کے دانتوں کے نشان بھی ہیں؟

غور کر کے بتایئے

۱۔ کریم الدین کے غریب ہونے کی وجہ سے کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔کیا لوگوں کا ایسا کرنا درست تھا؟

۲۔ بادشاہ نے کریم الدین کو باہر کیوں بھیج دیا تھا؟

۳۔ امیر علی کے پاس کئی بھینسیں تھیں پھر بھی اس نے کریم الدین کی بھینس کیوں چُرائی؟

۴۔ کیا بادشاہ کے پاس بھینس کی حقیقت معلوم کرنے کا کوئی اور طریقہ ہو سکتا تھا؟

سرگرمی/منصوبہ:

صفائی کے تعلق سے کئی ڈرامے لکھے گئے ہیں۔اپنے استاد/سرپرست کی مدد سے حاصل کر کے انھیں پڑھیے اور اسٹیج کیجیے۔

اپنی ادا دیکھ

اپنے استاد سے کہہ کر اس ڈرامے کو کمرۂ جماعت ہی میں اسٹیج کیجیے۔

آیئے، زبان سیکھیں

صفتِ عددی، صفتِ مقداری:

اسم اور صفت کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔صِفت ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو اسم کی خصوصیت بتاتے ہیں۔

- یہ مثالیں آپ نے دیکھی ہیں:

۱۔ ان کی خلافت کی مدت دس برس، چھے مہینے اور بارہ دن ہے۔

۲۔ اتنی دور کا حال عمر کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟

ان مثالوں میں 'دس برس/ چھے مہینے/ بارہ دن' سے ایک مدت کی طوالت معلوم ہو رہی ہے۔یہاں برس/ مہینے/ دن اسم ہیں جن کی خصوصیت دس/ چھے/ بارہ کے اعداد سے بتائی گئی ہے۔یہ صفتِ عددی کی مثالیں ہیں۔

دوسری مثالیں: سو صفحات، ایک صدی، ساڑھے پانچ سو روپے، ہزاروں اُمیدیں، وغیرہ

اوپر کی دوسری مثال میں 'اتنی دور کا حال' سے ایک مقام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن معلوم نہیں ہوتا کہ وہ مقام واقعی کتنی دور ہے۔

اوپر کی مثال میں دس، چھے، چار کی طرح 'اتنی دور' بھی ایک ناپ ہے جو اسم 'حال' کی صفت بتا رہا ہے۔اسے صفتِ مقداری کہتے ہیں۔

دوسری مثالیں: تھوڑا پانی، زیادہ مٹھاس، اتنی دیر، کتنی دیر، وغیرہ

- اپنے پڑھے گئے اسباق میں سے صفتِ عددی اور صفتِ مقداری کی دس دس مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

ایک بُوند کی ہمّت

علامہ اقبالؔ

پہلی بات

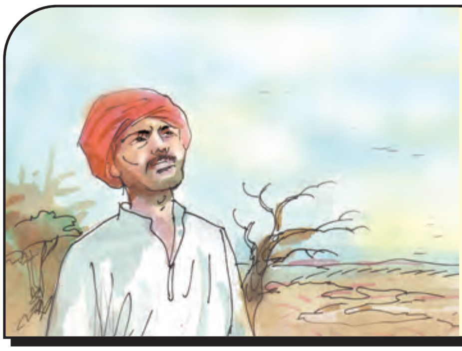

دی گئی تصویر کو بغور دیکھیے اور ذیل کے سوالوں کے جواب دیجیے:
(۱) تصویر میں آپ کو کیا کیا نظر آرہا ہے؟ (۲) کسان حسرت سے کس طرف دیکھ رہا ہے؟ (۳) بادلوں میں کیا دِکھائی دے رہا ہے؟ (۴) قطرے کو اور کیا کہتے ہیں؟
ذیل کی نظم میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی مشکل میں ہو تو اُس کی مدد کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ نیکی کے کام میں مشکلیں آتی ہیں مگر ہمیں ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔ جب ہم کسی کام کا عزم کرلیں تو بہت سے لوگ ہمارے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

جان پہچان

ڈاکٹر محمد اقبالؔ ۹؍نومبر ۱۸۷۶ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ انھوں نے ایک جلسے میں نظم ’نالۂ یتیم‘ سنا کر بڑی شہرت حاصل کی۔ ان کی شاعری میں حرکت و عمل کا پیغام ہے۔ انھوں نے قوم کو خودی اور مسلسل جدو جہد کی تعلیم دی ہے۔ ’بانگِ درا‘، ’بالِ جبریل‘ اور ’ضربِ کلیم‘ ان کے اُردو کلام کے مجموعے ہیں۔ اقبالؔ نے ۲۱؍اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں جیسے ’بچے کی دعا‘، ’ایک پہاڑ اور گلہری‘، ’مکڑا اور مکھی‘، ’ایک گائے اور بکری‘ وغیرہ۔ ’ایک بوند کی ہمت‘ بھی بچوں کے لیے لکھی ہوئی ان کی ایک نظم ہے۔

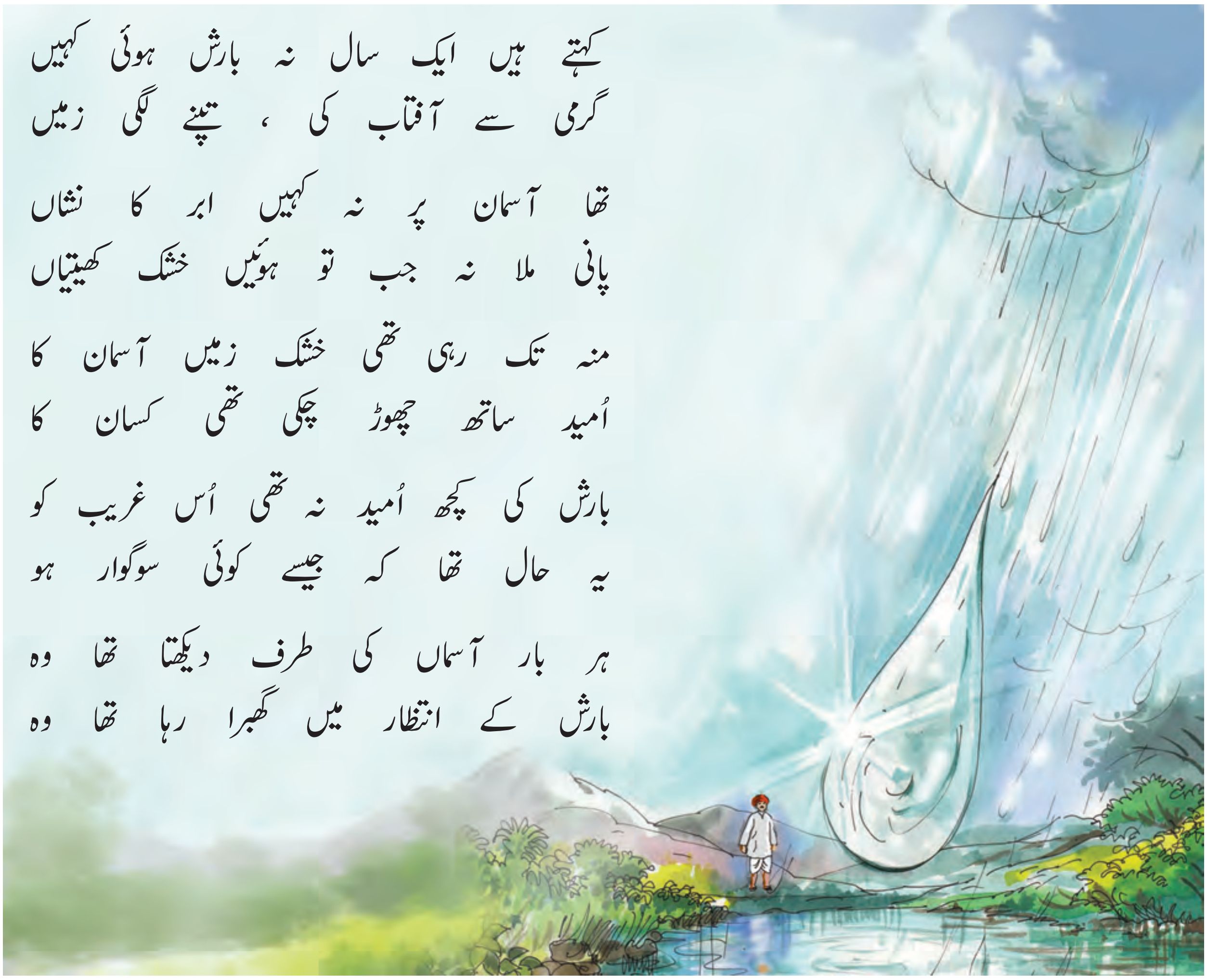

کہتے ہیں ایک سال نہ بارش ہوئی کہیں
گرمی سے آفتاب کی ، تپنے لگی زمیں

تھا آسماں پر نہ کہیں ابر کا نشاں
پانی ملا نہ جب تو ہوئیں خشک کھیتیاں

منہ تک رہی تھی خشک زمیں آسمان کا
اُمید ساتھ چھوڑ چکی تھی کسان کا

بارش کی کچھ اُمید نہ تھی اُس غریب کو
یہ حال تھا کہ جیسے کوئی سوگوار ہو

ہر بار آسماں کی طرف دیکھتا تھا وہ
بارش کے انتظار میں گھبرا رہا تھا وہ

ناگاہ ایک ابر کا ٹکڑا نظر پڑا
لاتی تھی اپنے ساتھ اُڑا کر جسے ہوا

پانی کی ایک بوٗند نے تاکا اِدھر اُدھر
بولی وہ ، اُس کسان کی حالت کو دیکھ کر

ویران ہوگئی ہے جو کھیتی غریب کی
ہے آسمان پر نظر اِس بدنصیب کی

میری یہ آرزوٗ ہے کہ اِس کا بھلا کروں
یعنی برس کے کھیت کو اِس کے ، ہرا کروں

بوٗندوں نے جب سنی ، یہ سہیلی کی گفتگوٗ
ہنس کر دیا جواب کہ اللہ رے آرزوٗ

تو اک ذرا سی بوٗند ہے ، اِتنا بڑا یہ کھیت
تیرے ذرا سے نم سے نہ ہوگا ہرا یہ کھیت

اُس بوٗند نے مگر یہ بگڑ کر دیا جواب
کہہ دی وہ بات، جس نے کیا سب کو لا جواب

نیکی کی راہ میں کبھی ہمت نہ ہاریے
مقدوٗر ہو تو عمر اِسی میں گزاریے

قربان اپنی جان کروں گی کسان پر
کیا لوں گی میں ٹھہر کے یہاں آسمان پر

لو ، میں چلی ، یہ کہہ کے روانہ ہوئی وہ بوٗند
بوٗندوں کی انجمن میں یگانہ ہوئی وہ بوٗند

دیکھا سہیلیوں نے تو حیران ہوگئیں
ہمّت کے اِس کمال پہ کی سب نے آفریں

بولیں کہ چاہیے نہ سہیلی کو چھوڑنا
اچھا نہیں ہے منہ کو رفاقت سے موڑنا

یہ کہہ کے ایک ساتھ وہ بوٗندیں رواں ہوئیں
چھینٹا سا بن کے کھیت کے اوپر برس گئیں

اُجڑا ہوا جو کھیت تھا ، آخر ہرا ہوا
یہ صرف ایک بوٗند کی ہمّت کا کام تھا

خلاصۂ کلام

اگر بارش نہ ہوتو جاندار گرمی سے پریشان ہوجاتے ہیں، کھیت سوکھ جاتے ہیں، ایسے میں بارش کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ جب آسمان پر بادل اُمڈ آتے ہیں اور بارش کی بوندیں زمین پر پڑتی ہیں تو تمام انسان اور جاندار اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ اس نظم میں شاعر نے بتایا ہے کہ بارش کے برسنے سے پہلے جو پہلی بوند زمین پر پڑتی ہے وہ بڑی ہمت والی ہوتی ہے کیوں کہ اُس سے حوصلہ پا کر دوسری بوندیں بھی زمین پر برستی ہیں اور بارش ہونے لگتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کام کو شروع کرنے اور منزل کو پانے کے لیے ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

معنی و اشارات

سوگوار	-	دُکھی
ناگاہ	-	اچانک
بگڑنا	-	خراب ہونا، ناراض ہونا
مقدوٗر	-	طاقت، ہمّت
یگانہ	-	اکیلا، سب سے الگ خوبیوں والا
رفاقت	-	دوستی
آفریں	-	واہ واہ، شاباش!
چھینٹا	-	ہلکی بارش

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ علامہ اقبال کی شاعری ہمیں کیا پیغام دیتی ہے؟
۲۔ زمین کیوں تپنے لگی؟
۳۔ کسان آسمان کی طرف کیوں دیکھ رہا تھا؟
۴۔ کھیتیاں کیوں خشک ہوگئی تھیں؟
۵۔ خشک زمین آسمان کو کیوں تک رہی تھی؟
۶۔ بوند کی کس بات نے سب سہیلیوں کو لاجواب کر دیا؟
۷۔ کس کی کھیتی ویران ہوگئی؟
۸۔ بوند کی آرزو کیا تھی؟

مختصر جواب لکھیے :

۱۔ ہمت والی بوند نے کیا کِیا؟
۲۔ بوندیں کیا کہہ کر آسمان سے روانہ ہوئیں؟

وسعت میرے بیان کی

ان مصرعوں کا مطلب بتائیے :

(الف) نیکی کی راہ میں کبھی ہمت نہ ہاریے
(ب) بوندوں کی انجمن میں یگانہ ہوئی وہ بوند

درجہ بندی

ذیل کے اشعار کو غور سے پڑھیے اور نظم کے مطابق ترتیب وار لکھیے :

- ناگاہ ایک ابر کا ٹکڑا نظر پڑا — لاتی تھی اپنے ساتھ اُڑا کر جسے ہوا
- ہر بار آسمان کی طرف دیکھتا تھا وہ — بارش کے انتظار میں گھبرا رہا تھا وہ
- میری یہ آرزو ہے کہ اس کا بھلا کروں — یعنی برس کے کھیت کو اِس کے، ہرا کروں
- پانی کی ایک بوند نے تاکا اِدھر اُدھر — بولی وہ، اُس کسان کی حالت کو دیکھ کر
- ویران ہوگئی ہے جو کھیتی غریب کی — ہے آسمان پر نظر اِس بدنصیب کی

تلاش و جستجو

ذیل میں لکھے ہوئے جملوں کا مفہوم نظم کے جن مصرعوں میں آیا ہے، وہ مصرعے لکھیے :

۱۔ اُمید کسان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

۲۔ اُس کے کھیت کو برس کر ہرا کردوں۔

۳۔ اپنی جان کسان پر قربان کردوں گی۔

۴۔ رفاقت سے منہ موڑنا اچھا نہیں۔

۵۔ یہ کام صرف ایک بوند کی ہمت کا ہے۔

درج ذیل فقروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

اُمید ساتھ چھوڑنا　　ویران ہونا　　لاجواب کر دینا　　ہمت نہ ہارنا　　منہ تکنا

غور کر کے بتائیے

۱۔ نظم 'ایک بوند کی ہمت' اور ذیل کے شعر میں کون سی بات ایک جیسی ہے :

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

۲۔ ایک معمولی سی بوند ہمیں کیا درس دے رہی ہے؟

زورِ قلم

اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے اور کلاس میں اپنے دوستوں کو سنائیے۔

لفظوں کا کھیل

دائرے میں دیے گئے حروف سے تین اور چار حرفی زیادہ سے زیادہ الفاظ بنائیے۔ ہر لفظ میں حرف 'ن' کا آنا ضروری ہے۔

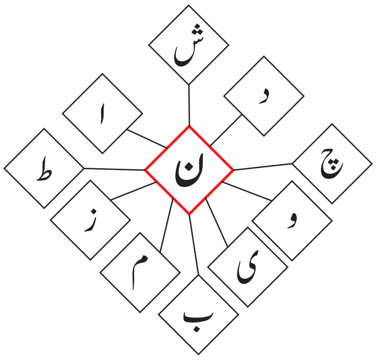

سرگرمی / منصوبہ :

۱۔ آپ چوتھی جماعت میں اسماعیل میرٹھی کی نظم 'پانی کی حقیقت' پڑھ چکے ہیں۔ اپنی لائبریری سے اُنھیں کی ایک اور نظم 'بارش کا قطرہ' تلاش کر کے اپنی بیاض میں نقل کیجیے۔

۲۔ پانی کی اہمیت و افادیت سے متعلق مضامین حاصل کر کے پڑھیے اور اپنے گھر سے 'پانی بچاؤ مہم' کا آغاز کیجیے۔

۱۸ اعتبار
پنڈت سدرشن

پہلی بات

خلیفہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص قتل کے جرم میں گرفتار ہوا۔ جب اسے آپؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ خلیفہ نے اسے سزائے موت دی، مجرم نے وہ سزا قبول کرلی مگر اس نے حضرت عمرؓ سے تین دن کی مہلت مانگی۔ اس کے باپ نے مرتے وقت کچھ سونا اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے مجرم کے سپرد کیا تھا جسے وہ لوٹانا چاہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مجرم سے ضامن مانگا تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس کی ضمانت قبول کرلی۔ تیسرے دن شام ہونے تک اگر مجرم لوٹ کر نہ آتا تو اس کی جگہ ابوذر غفاریؓ کو موت کی سزا ہوجاتی۔ تیسرے دن لوگ مجرم کا انتظار کرنے لگے۔ جب شام تک بھی وہ لوٹ کر نہیں آیا تو لوگوں کی بے چینی بڑھنے لگی کہ شاید ابوذر غفاری کو سزا ہوجائے مگر وہ شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا آ پہنچا۔ اس نے خلیفہ سے اپنا انصاف پورا کرنے کی درخواست کی۔ مجرم کے قول کا پاس رکھنے سے سارے لوگ خوش ہوگئے اور مدعی نے اسے معاف کردیا۔ اس طرح وعدہ نبھانے کی وجہ سے اس شخص کی جان بچ گئی اور حضرت عمرؓ کا انصاف بھی پورا ہوا۔

ذیل کی کہانی بھی اسی موضوع سے متعلق ہے۔

جان پہچان

اس کہانی کے مصنف سدرشن کا اصل نام پنڈت بدری ناتھ ہے۔ وہ ۱۸۹۶ء میں سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ اپنے عہد کے کامیاب افسانہ نگاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں سماج کے متوسط طبقے کے لوگوں کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ آسان زبان ان کے افسانوں کی خاص خوبی ہے۔ ان کی اہم تصانیف 'چندن'، 'بہارستان'، 'محبت کا انتقام'، 'سدا بہار پھول' وغیرہ ہیں۔ پنڈت سدرشن کا انتقال ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۷ء کو ممبئی میں ہوا۔

ماں کو اپنے بیٹے اور کسان کو اپنے لہلہاتے کھیت دیکھ کر جو خوشی ہوتی ہے، وہی خوشی بابا بھارتی کو اپنا گھوڑا دیکھ کر ہوتی تھی۔ گھوڑا بہت خوب صورت تھا۔ اس کے جوڑ کا گھوڑا سارے علاقے میں نہ تھا۔ بابا بھارتی اسے سلطان کہہ کر پکارتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے مالش کرتے، خود دانہ کھلاتے اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ انھوں نے روپیہ، مال، اسباب اور زمین وغیرہ سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ یہاں تک کہ انھیں شہری زندگی سے بھی نفرت ہوگئی تھی۔ اب گاؤں سے باہر وہ ایک چھوٹے سے مندر میں رہتے اور پوجا کرتے تھے۔

"میں سلطان کے بغیر نہیں رہ سکوں گا" انھیں وہم سا ہوگیا تھا۔

وہ اس کی چال پر فدا تھے۔ کہتے، "ایسا چلتا ہے جیسے مور گھٹا کو دیکھ کر ناچ رہا ہو۔" جب تک شام کے وقت سلطان پر سوار ہوکر آٹھ دس میل کا چکر نہ لگا لیتے، اُنھیں چین نہ آتا۔

کھڑگ سنگھ اس علاقے کا مشہور ڈاکو تھا۔ لوگ اس کا نام سن کر کانپتے تھے۔ سلطان کی تعریف اُس کے کانوں میں پہنچی۔ اس کا دل سلطان کو دیکھنے کے لیے بے چین ہوگیا۔ ایک دن وہ دوپہر کے وقت بابا بھارتی کے پاس پہنچا اور سلام کرکے بیٹھ گیا۔

بابا بھارتی نے پوچھا، "کھڑگ سنگھ، کیا حال ہے؟"

کھڑگ سنگھ نے سر جھکا کر جواب دیا، "آپ کی دعا سے اچھا ہوں۔"

"کہو، اِدھر کیسے آئے؟"

"سلطان کی چاہ کھینچ لائی۔ بہت دنوں سے تمنّا تھی، آج حاضر ہو سکا ہوں۔"

بابا بھارتی اور کھڑگ سنگھ اصطبل میں پہنچے۔ بابا نے گھوڑا دِکھایا گھمنڈ سے۔ کھڑگ سنگھ نے گھوڑا دیکھا حیرت سے۔ اس نے سیکڑوں گھوڑے دیکھے تھے لیکن ایسا بانکا گھوڑا اس کی نظر سے کبھی نہ گزرا تھا۔ سوچنے لگا، "قسمت کی بات ہے۔ ایسا گھوڑا کھڑگ سنگھ کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ اس سادھو کو ایسی چیزوں سے کیا فائدہ؟"

وہ بے صبری سے بولا، "لیکن اس کی چال نہ دیکھی تو کیا؟"

بابا گھوڑے کو کھول کر باہر لے آئے۔ اس کی چال دیکھ کر کھڑگ سنگھ کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ وہ ڈاکو تھا اور جو چیز اسے پسند آ جائے اس پر وہ اپنا حق سمجھتا تھا۔ جاتے جاتے اس نے کہا، "بابا جی، میں یہ گھوڑا آپ کے پاس نہ رہنے دوں گا۔"

بابا بھارتی ڈر گئے۔ انھیں رات کو نیند نہ آتی تھی۔ ساری رات اصطبل کی رکھوالی میں کٹنے لگی۔ کھڑگ سنگھ کا خوف ہر وقت ان کے دل میں سمایا رہتا۔ کئی ہفتے گزر گئے اور وہ نہ آیا۔ یہاں تک کہ بابا بھارتی کسی حد تک بے پروا ہو گئے۔

ایک دن شام کا وقت تھا۔ بابا بھارتی سلطان کی پشت پر سوار ہو کر سیر کرنے جا رہے تھے۔ اچانک ایک طرف سے آواز آئی، "او بابا، اس غریب کی سنتے جانا۔" آواز میں درد تھا۔ بابا نے گھوڑا روک لیا۔ دیکھا، ایک اپاہج درخت کے سائے میں بیٹھا کراہ رہا ہے۔ بولے، "کیوں، تمھیں کیا دُکھ ہے؟"

اپاہج نے ہاتھ جوڑ کر کہا، "بابا، مجھ پر رحم کرو۔ میرا گاؤں یہاں سے تین میل دور ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے، گھوڑے پر چڑھا لو۔ خدا تمھارا بھلا کرے گا۔"

"وہاں تمھارا کون ہے؟"

"درگا دت وید کا نام سنا ہوگا، میں اُن کا سوتیلا بھائی ہوں۔"

بابا بھارتی نے گھوڑے سے اُتر کر اپاہج کو گھوڑے پر سوار کیا اور خود اس کی لگام پکڑ کر دھیرے دھیرے چلنے لگے۔

اچانک انھیں ایک جھٹکا سا لگا اور لگام ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُنھوں نے دیکھا کہ اپاہج گھوڑے کی پشت پر تن کر بیٹھا ہے اور گھوڑے کو دوڑائے لیے جا رہا ہے۔ ان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ یہ اپاہج، ڈاکو کھڑگ سنگھ تھا۔

بابا بھارتی کچھ دیر تک چپ رہے اور اس کے بعد کچھ فیصلہ کر کے پوری طاقت سے چیخ کر بولے، "ٹھہر جاؤ۔"

کھڑگ سنگھ ٹھہر گیا۔ بابا نے کہا، "یہ گھوڑا تمھارا ہو چکا۔ میں تم سے اسے واپس کرنے کے لیے نہ کہوں گا لیکن کھڑگ سنگھ! ایک التجا کرتا ہوں۔ اسے ٹھکرا نہ دینا ورنہ

میرا دِل ٹوٹ جائے گا۔"

"بابا جی حکم دیجیے۔ میں آپ کا غلام ہوں۔ صرف یہ گھوڑا نہ دوں گا۔"

"اب گھوڑے کا نام نہ لو۔ میں تم سے اس کے بارے میں کچھ نہ کہوں گا۔ میری گزارش صرف یہ ہے کہ اس واقعے کا کہیں ذکر نہ کرنا۔"

کھڑگ سنگھ کا منہ حیرت سے کُھلا رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس گھوڑے کو لے کر یہاں سے بھاگنا پڑے گا لیکن بابا بھارتی نے خود ہی اس سے کہا، "اس واقعے کو کسی سے بیان نہ کرنا۔" اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ کھڑگ سنگھ نے بہت سوچا، بہت سر مارا لیکن کچھ نہ سمجھ سکا۔ ہار کر اس نے اپنی آنکھیں بابا بھارتی کے چہرے پر گاڑیں اور پوچھا، "بابا جی! اس بات کو بتانے میں آپ کو کیا ڈر ہے؟" یہ سن کر بابا بھارتی نے جواب دیا "لوگوں کو اگر اس واقعے کا علم ہوگیا تو وہ کسی غریب اپاہج پر بھروسا نہ کریں گے۔" یہ کہہ کر انھوں نے سلطان کی طرف سے اس طرح منہ پھیر لیا جیسے اُن کا اس سے کبھی کوئی تعلّق ہی نہ رہا ہو۔

بابا بھارتی چلے گئے لیکن ان کے الفاظ کھڑگ سنگھ کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ سوچتا تھا، "کیسا نیک خیال ہے۔ کتنا پاک جذبہ ہے! انھیں اس گھوڑے سے محبّت تھی۔ اس کی رکھوالی میں وہ کئی رات سوئے نہیں لیکن آج اُن کے چہرے پر رنج وغم کا نشان تک نہیں تھا۔ انھیں صرف یہ خیال تھا کہ کہیں لوگ غریبوں پر بھروسا کرنا نہ چھوڑ دیں۔ ایسا انسان انسان نہیں، فرشتہ ہے۔"

اسی رات کھڑگ سنگھ بابا بھارتی کے مندر میں پہنچا۔ آسمان میں تارے ٹمٹما رہے تھے۔ مندر کے اندر گہرا سکوت تھا۔ کھڑگ سنگھ سلطان کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اصطبل کے پھاٹک پر پہنچا۔ پھاٹک کھلا پڑا تھا۔ کبھی بابا بھارتی لاٹھی لے کر خود پہرہ دیتے تھے لیکن آج کسی چوری، کسی ڈاکے کا خوف نہ تھا۔ کھڑگ سنگھ نے آگے بڑھ کر سلطان کو اس کی جگہ باندھ دیا اور باہر نکل کر آہستہ سے پھاٹک بند کر دیا۔

صبح سویرے بابا بھارتی نے اپنی کٹیا سے باہر نکل کر ٹھنڈے پانی سے غسل کیا۔ اس کے بعد اس طرح جیسے کوئی خواب میں چل رہا ہو، ان کے پاؤں اصطبل کی طرف بڑھے لیکن پھاٹک پر پہنچ کر ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ رک گئے۔

گھوڑے نے اپنے آقا کے پاؤں کی چاپ پہچان لی اور زور سے ہنہنایا۔ اب بابا بھارتی حیرت اور خوشی سے دوڑتے ہوئے اندر گُھسے اور اپنے پیارے گھوڑے کے گلے سے لپٹ کر اس طرح رونے لگے جیسے کوئی باپ بہت دن کے بچھڑے ہوئے بیٹے سے مل رہا ہو۔ بار بار اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے، اس کے منہ پر تھپکیاں دیتے اور کہتے، "اب کوئی غریبوں کی مدد سے منہ نہ موڑے گا۔"

معنی و اشارات

اعتبار	-	بھروسا
وہم ہونا	-	گمان ہونا، شک ہونا
فدا ہونا	-	نثار ہونا، قربان ہونا
چاہ	-	محبت، چاہت
اصطبل	-	گھوڑے باندھنے کی جگہ
سینے پر سانپ لوٹنا	-	جلنا، حسد کرنا
اپاہج	-	معذور
دل ٹوٹنا	-	دکھ ہونا، تکلیف ہونا
سر مارنا	-	بہت غور و فکر کرنا، سوچنا
سکوت	-	خاموشی

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ مصنف کی پیدائش کس سن میں ہوئی ؟
۲۔ پنڈت سدرشن نے اپنے افسانوں میں کن لوگوں کی زندگی کو پیش کیا ہے؟
۳۔ بابا بھارتی گھوڑے کو کس نام سے پکارتے تھے؟
۴۔ بابا بھارتی کے گھوڑے میں کیا خوبی تھی؟
۵۔ بابا بھارتی اپنے گھوڑے کی خدمت کس طرح کرتے تھے؟
۶۔ بابا بھارتی شہر چھوڑ کر کہاں رہنے لگے؟
۷۔ بابا بھارتی کو کیا وہم ہو گیا تھا؟
۸۔ کھڑگ سنگھ بابا بھارتی کے مندر میں کیوں آیا تھا؟
۹۔ بابا بھارتی نے اپاہج کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
۱۰۔ اپاہج کے بھیس میں کون تھا؟

مختصر جواب لکھیے :

۱۔ بابا بھارتی نے کھڑگ سنگھ سے یہ کیوں کہا کہ ”اس واقعے کو کسی سے بیان نہ کرنا۔“
۲۔ کھڑگ سنگھ کا منہ حیرت سے کیوں کھلا رہ گیا؟
۳۔ بابا بھارتی کے برتاؤ کا کھڑگ سنگھ پر کیا اثر ہوا؟

وجہ بتائیے :

۱۔ بابا بھارتی کی ساری رات اصطبل کی رکھوالی میں کٹنے لگی۔
۲۔ کھڑگ سنگھ نے سلطان کو اس کی جگہ باندھ دیا۔

تفصیل سے جواب لکھیے :

۱۔ کھڑگ سنگھ نے بابا بھارتی سے سلطان کو کس طرح حاصل کیا؟
۲۔ بابا بھارتی کے جانے کے بعد کھڑگ سنگھ ان کے بارے میں کیا سوچتا رہا؟
۳۔ گھوڑا واپس ملنے پر بابا بھارتی نے اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کیا؟

سبق سے اپنی پسند کے پانچ نصیحت آموز جملے منتخب کرکے لکھیے۔

تلاش و جستجو

ان محاوروں کے معنی لغت سے دیکھ کر لکھیے :

خیالی گھوڑے دوڑانا، گھوڑے بیچ کر سونا، گدھے گھوڑے برابر ہونا، گھوڑی چڑھنا، گھوڑے کو ایڑ لگانا

آیئے، زبان سیکھیں

ضمیرِ اضافی :

- ان جملوں کو غور سے پڑھیے :

۱۔ حضرت عمرؓ کو اپنی رعایا کی خیر خیریت کی بہت فکر رہا کرتی تھی۔
۲۔ اسی روشنی میں ہم اپنے روزانہ کے کام کرتے ہیں۔
۳۔ اس نے اپنا سارا زیور اُتار کر ان کی جھولی میں ڈال دیا۔

پہلے جملے میں لفظ 'اپنی' جمع غائب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (بجائے 'ان کی')
دوسرے جملے میں لفظ 'اپنے' جمع متکلم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (بجائے 'ہمارے')
تیسرے جملے میں لفظ 'اپنا' واحد غائب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (بجائے 'اس کا')
اوپر کے تینوں جملوں میں الفاظ 'اپنی'، 'اپنے'، 'اپنا' **ضمیرِ اضافی** کہلاتے ہیں۔

- ضمیرِ اضافی کا درست استعمال کرکے جملوں کو دوبارہ لکھیے :

۱۔ ملک کے عوام ان کے علاقوں سے ان کے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔
۲۔ ان کی صلاحیتوں کو کام میں لاکر ذاکر صاحب نے مسلمانوں کے اس تعلیمی ادارے کو خوب ترقی دی۔
۳۔ ذاکر صاحب نے ان کی بیگم صاحبہ سے کہا۔
۴۔ اسے اس کے کام میں مزہ آنا چاہیے۔
۵۔ اس نے نہرو جی سے اس کا قصور دریافت کیا۔

شبنم

روشؔ صدیقی

پہلی بات

آپ جماعت پنجم میں عملِ تبخیر اور عملِ تکثیف کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔ سورج کی گرمی سے سمندروں اور دریاؤں کا پانی بخارات بن کر اُڑتا ہے، اوپر جا کر سرد ہوتا اور بادلوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ بادل بارش کی شکل میں زمین پر آتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سردی کے موسم میں بخارات تکثیف کی وجہ سے کن چیزوں میں تبدیل ہوتے ہیں۔ کہر ہمیں کس وقت دِکھائی دیتی ہے، شبنم ہمیں کہاں نظر آتی ہے۔ باغ میں پھولوں اور پتوں پر شبنم کے قطرے خوبصورت نظارہ پیش کرتے ہیں۔ شبنم کی اس خوبصورتی کو شاعر نے اپنی اس نظم میں مختلف چیزوں کی مثال سے بیان کیا ہے۔

جان پہچان

روشؔ صدیقی ۱۰؍جولائی ۱۹۰۹ء کو جوالاپور (ضلع سہارنپور) میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصلی نام شاہد عزیز صدیقی تھا۔ روشؔ صدیقی کی اُردو، فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ انھوں نے ہندی، سنسکرت اور انگریزی سے بھی واقفیت حاصل کی۔ روشؔ صدیقی سات سال کی عمر سے شاعری کرنے لگے تھے۔ انھوں نے غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی کہی ہیں۔ ان کا انتقال ۲۳؍جنوری ۱۹۷۱ء کو شاہجہاں پور میں ہوا۔

کیا یہ تارے ہیں زمیں پر جو اُتر آئے ہیں
یا وہ موتی ہیں کہ جو چاند نے برسائے ہیں
کیا وہ ہیرے ہیں جو صحرا نے پڑے پائے ہیں
فرش پر آئے نہ ہوں عرش کے ذرّات کہیں
اپنے آنسو تو نہیں بھوُل گئی رات کہیں

یہ کہانی بھی سنائی ہے زمیں نے اکثر
کہکشاں جاتی ہے جب پچھلے پہر اپنے گھر
پھینکتی جاتی ہے ہنستے ہوئے لاکھوں گوہر
اور ہر صبح کو یہ کھیل رچا جاتا ہے
ان کو خورشید کی پلکوں سے چُنا جاتا ہے

جس طرح باغ کے پھوُلوں کو چمن پیارا ہے
بَن میں کِھلتی ہیں جو کلیاں، انھیں بَن پیارا ہے
یوں ہی شبنم کو بھی اپنا ہی وطن پیارا ہے
کہکشاں روز بلاکر اسے بہکاتی ہے
پر یہ دامن میں زمیں ہی کے سکوں پاتی ہے

خلاصۂ کلام

سردیوں کی صبح پھولوں اور پتوں پر شبنم کے قطرے خوشنما دِکھائی دیتے ہیں۔ان قطروں پر جب سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو ان کا حسن دو بالا ہو جاتا ہے۔ان قطروں کو شاعر نے تارے، موتی اور ہیرے کہا ہے۔شبنم پانی کے ان بخارات سے بنتی ہے جو ہوا میں پائے جاتے ہیں۔سردی سے یہ بخارات قطروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔شاعر محسوس کرتا ہے کہ یہ قطرے شبنم کے نہیں بلکہ زمین پر تارے اُتر آئے ہیں یا چاند نے موتی برسائے ہیں۔صحرا میں جب ریت پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو ریت کے ذرّات ہیروں کی طرح چمکتے ہیں۔اس لیے شاعر نے شبنم کو صحرا میں بکھرے ہوئے ہیرے کہا ہے۔شبنم رات میں گرتی ہے اس لیے شاعر اسے رات کے آنسو کہتا ہے۔

زمین اکثر یہ کہانی سناتی ہے کہ رات کے آخری حصے میں کہکشاں لاکھوں گوہر بکھیرتی جاتی ہے جو صبح سورج کی گرمی سے اُڑ جاتے ہیں۔جس طرح پھولوں کو چمن اور جنگل کی کلیوں کو جنگل پیارا ہوتا ہے اسی طرح شبنم کو بھی زمین پیاری ہے جو کہ اس کا وطن ہے، اس لیے وہ زمین کے دامن میں ہی سکون پاتی ہے۔

معنی و اشارات

- **کھیل رچا جانا** – کھیل کھیلا جانا
- **ان کو خورشید کی پلکوں سے چنا جاتا ہے** – پلکوں سے چنا سے مراد کسی نازک چیز کو چننا، بڑی احتیاط سے اُٹھانا ہے۔شاعر نے سورج کی کرنوں کو پلکیں کہا ہے۔

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ شاعر کا اصلی نام کیا تھا؟

۲۔ شاعر جن زبانوں سے واقف تھے ان کے نام لکھیے۔

۳۔ شاعر شبنم کو کیا کہہ رہا ہے؟

۴۔ شبنم کو رات کے آنسو کیوں کہا گیا ہے؟

۵۔ زمین نے شبنم کے بارے میں کیا کہانی سنائی؟

۶۔ کہکشاں کے لاکھوں گوہر پھینکنے سے کیا مراد ہے؟

۷۔ شبنم کے علاوہ اور کس کو اپنا وطن پیارا ہے؟

۸۔ شبنم کو سکون کہاں ملتا ہے؟

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

شبنم   صحرا   کہکشاں   خورشید   ذرّات

لفظوں کا کھیل

ذیل میں دیے ہوئے الفاظ پڑھیے۔غیر متعلقہ لفظ کے گرد دائرہ بنائیے:

۱۔ ہیرے   موتی   خورشید   گوہر

۲۔ باغ　صحرا　چٹان　ریگستان

۳۔ ندی　نالہ　پہاڑ　دریا

۴۔ سورج　چاند　چاندنی　تارے

ترتیب دیجیے

✍ ذیل کے الفاظ کو حروفِ تہجی کے مطابق لکھیے :

تارے ، موتی ، زمین ، چاند ، ہیرے ، صحرا ، بات ، رات ، کہانی ، پلکیں ، گھر ، باغ ، لاکھوں ، دامن ، سکون

✍ ذیل میں دیے ہوئے بیانات سے ملتے جلتے مفہوم والے مصرعے لکھیے :

۱۔ رات کہیں اپنے آنسو تو نہیں بھول گئی ہے۔

۲۔ ہر صبح سورج نکلنے پر شبنم غائب ہو جاتی ہے۔

۳۔ کہکشاں شبنم کو بہکاتی ہے۔

✍ ذیل کی چیزیں کہاں پائی جاتی ہیں :

موتی ، ہیرے ، تارے ، کہکشاں ، آنسو ، پھول

غور کر کے بتائیے

۱۔ گرمی اور برسات کے موسم میں ہمیں شبنم کیوں نظر نہیں آتی ؟

۲۔ برسات کے موسم میں کبھی کبھی آسمان پر ہمیں کیا نظر آتا ہے؟

نظم خوانی

اس نظم کو دوستوں کے ساتھ مل کر ترنم سے پڑھیے۔

تلاش و جستجو

قدرتی منظر پر ایک نظم تلاش کر کے لکھیے۔

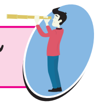

سیر بین

سردی کے دنوں میں صبح سویرے باغ میں جا کر شبنم کا مشاہدہ کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

دوسری جماعت میں آپ 'شہزادی کی ضد' کہانی پڑھ چکے ہیں۔ غور کر کے بتائیے کہ شہزادی کے ہاتھ لگاتے ہی شبنم کے قطرے کیوں بہہ جاتے تھے؟

۲۰ ہیلن کیلر

پہلی بات

باغ کی اس تصویر میں ایک لڑکی گلاب کے پودے کے پاس کھڑی شاخ پر لگے ہوئے گلاب کو پکڑ کر سونگھ رہی ہے۔ پاس کے درخت پر کچھ پرندے چہچہا رہے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) کیا پھول کو دیکھے بغیر لڑکی پودے کے پاس آئی ہوگی؟ (۲) گلاب کے پودے میں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی لگے ہیں۔ پھول کو اپنے سے قریب لاتے ہوئے کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی کانٹا اس بچی کو چبھ گیا ہو؟ (۳) جسم کا کون سے عضو پھول کی مہک محسوس کرتا ہے؟ (۴) درخت پر جو پرندے چہچہا رہے ہیں، کیا پھول سونگھتی ہوئی لڑکی ان کی آواز بھی سن رہی ہے؟

ان سوالوں کے جوابات ہمیں اپنے حواسِ خمسہ کی طرف متوجّہ کرتے ہیں یعنی دیکھنا، چھونا، سونگھنا، چکھنا اور سننا۔ ان کے بغیر عام انسان کی زندگی بے حس اور بے مزہ ہوکر رہ جاتی ہے۔ ذیل میں ایک ایسی خاتون کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے جس نے بعض حواس سے محروم ہونے کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور کسی رکاوٹ کو اپنی ترقی میں حائل نہیں ہونے دیا۔

کیٹ اور آرتھر ایک پیاری سی بچّی کے ماں باپ تھے۔ انھیں اپنی بیٹی سے بہت محبّت تھی۔ ماں سوتے جاگتے بچی کو سینے سے لگائے رہتی۔ بچی جب تقریباً دو سال کی ہوئی تو اچانک بیمار ہوگئی۔ ماں باپ نے بچی کے علاج کے لیے بڑی دوڑ دھوپ کی۔ جب لڑکی صحت یاب ہوئی تو ایک دن نہلاتے ہوئے ماں نے دیکھا کہ آنکھوں پر سے پانی بہنے کے باوجود بچی آنکھیں بند نہیں کرتی اور لوری گانے یا کسی چیز کے بجانے پر بھی وہ آواز کی طرف متوجّہ نہیں ہوتی۔ اب تو ماں باپ دونوں پریشان ہوگئے۔ بچی کو پھر ڈاکٹروں کو بتایا گیا۔ ڈاکٹروں نے اس لڑکی کے اندھی اور بہری ہونے کا اعلان کردیا اور کہا کہ شاید بڑی ہوکر یہ گونگی بھی ہوجائے۔ بچپن ہی سے اندھی، گونگی اور بہری یہ لڑکی ہیلن کیلر تھی۔

ہیلن کیلر شمالی امریکہ کے شہر ٹس کمبیا میں ۲۷؍ جون ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئیں۔ اُن کے اِس عجیب مرض سے والدین بڑے پریشان تھے۔ ہیلن کیلر کو لے کر وہ ڈاکٹر گراہم بیل کے پاس گئے۔ اس زمانے میں وہ بہرے پن کے مرض پر تحقیق کر رہے تھے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ ہیلن کو این سَلی وان کے سپرد کریں جو گونگوں کو بولنا سکھانے میں ماہر تھیں۔ والدین نے ایسا ہی کیا۔ این نے ہیلن کیلر کو بولنا سکھانے کے لیے کئی انوکھے طریقے اپنائے۔ وہ ہیلن کے ایک ہاتھ پر ٹھنڈا پانی ٹپکاتیں اور دوسری ہتھیلی پر لفظ 'پ-ا-ن-ی' لکھتیں۔ یہ عملی مشق متواتر کی گئی۔ ہیلن کیلر لمسی قوّت سے سمجھنے لگیں کہ ہتھیلی پر جو شے ٹپک رہی ہے اسے پانی کہتے

ہیں۔ سکھانے کے اس طریقے سے ہیلن کیلر نے ایک دن میں تیس الفاظ یاد کر لیے۔ ان طریقوں سے چھے ماہ کی قلیل مدّت میں ہیلن نے چھے سو پچیس الفاظ سیکھ لیے۔

ہیلن کیلر جب دس برس کی ہوئیں تو انھیں اندھوں کے پڑھنے کے طریقے یعنی 'بریل' حروف پر مہارت حاصل ہو چکی تھی اور کسی حد تک بولنا بھی انھوں نے سیکھ لیا تھا۔ چوبیس برس کی عمر میں وہ امریکہ کی پہلی اندھی اور بہری گریجویٹ خاتون تھیں جنھوں نے امتیازی نمبرات کے ساتھ بی.اے.کی سند حاصل کی۔ ہیلن کیلر نے بڑی محنت و مشقت کے ساتھ اپنی تمام معذوریوں پر فتح حاصل کی اور دنیا کی تاریخ میں ایک ممتاز اور غیر معمولی عورت بن گئیں۔

ہیلن کیلر کی ترقی اور عالمی شہرت میں ان کی استانی کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ ہیلن کے ساتھ انچاس برس رہیں۔ انھوں نے اسے لکھنا پڑھنا اور بولنا سکھایا۔ ان تمام صلاحیتوں اور قدرتی نعمتوں سے محروم رہنے کے باوجود ہیلن کیلر مایوسی کا شکار نہیں ہوئیں۔ ان کی استانی اپنی نے بھی ہمت نہ ہاری۔ وہ ہیلن کو مسلسل پڑھاتی رہیں یہاں تک کہ وہ بولنا سیکھ گئیں۔ انھوں نے انگریزی کے ساتھ جرمنی، لاطینی، یونانی اور فرانسیسی زبانوں پر اس قدر عبور حاصل کر لیا تھا کہ مختلف ملکوں میں لوگ ان کی تقریریں سن کر تعجّب کرنے لگتے۔ ان زبانوں کے علاوہ ہیلن نے ریاضی، جغرافیہ اور دیگر علوم میں بھی مہارت پیدا کر لی تھی۔

بریل حروف کے سہارے ہیلن نے ٹائپ رائٹر کا استعمال بھی سیکھا۔ اسی کے سہارے وہ دنیا بھر کے لوگوں کو خطوط لکھتیں۔ اپنی تحریروں میں انھوں نے قدرتی مناظر اور اپنے اطراف کے ماحول کو بڑی پُر اثر زبان میں بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ مناظر انھوں نے دیکھے نہیں تھے۔ انھوں نے بریل میں لکھی دنیا کی کئی اہم کتابوں کا مطالعہ کیا اور خود اپنی سوانح حیات بھی لکھی۔ وہ اپنی تحریروں کی وجہ سے اتنی مشہور ہوئیں کہ دنیا کے کئی ملکوں میں ان کی تحریروں کو محفوظ کر لیا گیا۔ انھیں پڑھ کر یقین ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی نابینا مصنّفہ کی لکھی ہوئی تحریریں ہیں۔ اپنی آپ بیتی میں ہیلن کیلر نے ایک جگہ لکھا ہے :

کبھی کبھی میں اپنی سہیلیوں کا امتحان لیتی ہوں، یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا دیکھتی ہیں۔ حال ہی میں میری ایک سہیلی جنگل کی سیر کے بعد واپس لوٹیں۔ میں نے ان سے پوچھا، "آپ نے وہاں کیا کیا دیکھا؟"

"کچھ خاص نہیں،" ان کا جواب تھا۔ سن کر مجھے تعجّب نہیں ہوا کیونکہ میں اس طرح کے جوابوں کی عادی ہو چکی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ جن لوگوں کی آنکھیں ہوتی ہیں، وہ بہت کم دیکھتے ہیں۔

کیا ممکن ہے کہ کوئی جنگل میں گھنٹا بھر گھومے پھرے اور کوئی خاص چیز نہ دیکھے؟ سیکڑوں دلچسپ چیزیں ملتی ہیں جنھیں میں چھو کر پہچان لیتی ہوں۔ میں لمس سے پہچان لیتی ہوں کہ پیڑوں کی چھالیں کیسی ہوتی ہیں۔ مَیں موسمِ بہار میں ٹہنیوں پر نئی کلیاں ڈھونڈتی ہوں۔ مجھے پھول کی پنکھڑیوں کو چھونے اور ان کی بناوٹ کو محسوس کرنے میں بہت خوشی ہوتی ہے۔ مجھے قدرت کی صنّاعی کا احساس ہوتا ہے۔ اس عالم میں جب کبھی میں کسی پیڑ کی ٹہنی پر ہاتھ رکھتی ہوں تو چڑیا کی میٹھی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگتی ہے۔ اپنی اُنگلیوں کے بیچ جھرنے کے پانی کو بہتے اور اسے محسوس کرتے ہوئے مجھے بے انتہا مسرّت ہوتی ہے۔ بدلتے ہوئے موسم کا سماں میری زندگی میں نئے رنگ اور خوشیاں بھر جاتا ہے۔

کبھی کبھی میرا دل ان سب چیزوں کو دیکھنے کے لیے مچل اُٹھتا ہے۔ اگر مجھے ان چیزوں کو صرف چھونے سے اتنی خوشی ملتی ہے تو ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر تو میرا دل باغ باغ ہو جائے گا۔ لیکن جن لوگوں کی آنکھیں ہیں وہ سچ مچ بہت کم دیکھتے ہیں۔ اس دنیا

کے الگ الگ خوبصورت رنگ ان کے احساس کو نہیں چھوتے! انسان اپنی صلاحیتوں کی کبھی قدر نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ اس چیز کی آس لگائے رہتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہے۔

یہ کتنے دُکھ کی بات ہے کہ آنکھوں کی نعمت کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں۔ جبکہ اس نعمت کے ذریعے زندگی کی خوشیوں کو قوسِ قزح کی طرح رنگین بنایا جاسکتا ہے۔

ہیلن کیلر کو انسانی فلاح و بہبود کے کاموں سے بڑی دلچسپی تھی۔ انھوں نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی بقیہ زندگی لوگوں کی خدمت کے لیے وقف کردی۔ اندھوں اور بہروں کی خدمت کو انھوں نے اپنا نصبُ العین بنالیا تھا۔ فلاحی کاموں کے لیے انھوں نے دنیا کے پچیس ممالک کا دَورہ کیا اور وہاں کے اندھوں اور بہروں کو راحت پہنچائی۔ ان کی تقریروں سے معذوروں کی ڈھارس بندھتی اور ان کی مایوسی اُمید میں بدل جاتی۔ خدمتِ خلق کے اس مقصد نے دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کو متاثر کیا اور انھوں نے ہیلن کیلر کو ان کی خدمات کے اعتراف میں کئی اعزازات سے نوازا۔ انھیں امن کے نوبیل انعام سے بھی سرفراز کیا گیا۔ اس انعام کو لینے کے لیے جب وہ گئیں تو ان سے سوال کیا گیا کہ زندگی میں آپ کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی شخصیت کون ہیں؟ ہیلن نے اپنی استانی کا نام بڑی عزّت اور احترام سے لیا۔ استاد اور شاگرد کی یہ جوڑی ساری دنیا میں بے مثال ہے اور جہاں ہیلن کا نام لیا جاتا ہے وہاں اینی سَلی وان کو بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ہیلن کیلر اور اینی کی دوستی اتنی مشہور ہوئی کہ ان کی زندگی پر بہت سی فلمیں بھی بنائی گئیں۔ آج ہیلن کیلر کے نام پر سیکڑوں فلاحی ادارے ساری دنیا میں معذوروں کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ہیلن کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے مختلف ممالک میں ان کے نام کی شاہراہیں بنائی گئی ہیں۔ چوراہوں کو ان کا نام دیا گیا ہے۔ شمالی امریکہ میں ہیلن کے وطن ٹس کمبیا میں ان کا مُجسّمہ نصب کیا گیا ہے۔

گونگے پن کی حالت میں ہتھیلی پر ٹپکنے والے پانی کے قطروں کے احساس سے پہلا لفظ 'پانی' سیکھنے کے بعد مسلسل محنت ومشقت سے اپنے گونگے پن پر فتح پانے والی ہیلن کیلر کا انتقال یکم جون ۱۹۶۸ء کو ہوا۔ اس وقت وہ اٹھاسی برس کی تھیں۔ طویل عمر تک وہ آنکھوں سے اندھی اور کانوں سے بہری رہیں۔ اپنی معذوریوں کے باوجود انھوں نے اندھوں بہروں کی فلاح کے لیے ایسے کام کیے جو تمام ہوش وحواس کے مالک افراد سے بھی ممکن نہیں۔

معنی و اشارات

تحقیق کرنا	-	حقیقت معلوم کرنا
امتیازی	-	اعلیٰ درجے کا
معذوری	-	ایسی کمزوری یا بیماری جو انسان کو مجبور کردے
ممتاز	-	اعلیٰ درجے کا
عالمی	-	پوری دنیا سے متعلق
عبور حاصل کرنا	-	مکمل مہارت حاصل کرنا
سوانح حیات	-	ایسی کتاب جس میں کسی کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے ہوں۔
لمس	-	چھونا
صنّاعی	-	بناوٹ، کاری گری
وقف کردینا	-	دوسروں کے فائدے کے لیے کوئی چیز دے دینا
نصبُ العین	-	مقصد

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ ہیلن کیلر کے والدین کے نام کیا تھے؟

۲۔ ہیلن کیلر کون سی زبانیں سیکھ گئیں؟

۳۔ ہیلن کیلر نے اپنی کتابیں کون سے حروف کی مدد سے لکھی ہیں؟

۴۔ ہیلن کیلر کو دنیا نے کس طرح یاد رکھا ہے؟

مختصر جواب لکھیے :

۱۔ والدین نے ہیلن کیلر کو کس کے حوالے کیا اور کیوں؟

۲۔ ہیلن کیلر نے تعلیم میں کون سی سند لی اور کس عمر میں؟

۳۔ معذوروں کی بھلائی کے لیے ہیلن کیلر نے کیا کام کیے؟

زورِ قلم

سبق کے پہلے پیراگراف کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

لکھیے کہ ہیلن کیلر نے قوتِ لمس کو کن حواس کے لیے استعمال کیا؟

اپنے استاد سے معلوم کیجیے کہ ہیلن کیلر ہندوستان کب آئی تھیں اور یہاں انھوں نے کس سے ملاقات کی تھی۔

لفظ 'کیلر' ایک یورپی نام ہے۔ اس کا تلفظ 'کے لر' ہے۔ اسے 'کی لر' نہیں پڑھنا چاہیے۔

وسعت میرے بیان کی

سبق کی روشنی میں درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے۔

۱۔ جن لوگوں کی آنکھیں ہوتی ہیں، وہ بہت کم دیکھتے ہیں۔

۲۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی جنگل میں گھنٹا بھر گھومے پھرے اور کوئی خاص چیز نہ دیکھے؟

۳۔ انسان اپنی صلاحیتوں کی کبھی قدر نہیں کرتا۔

بات سے بات چلے

۱۔ ہم کن حواس کی مدد سے اپنے اطراف کو سمجھتے ہیں؟ اِن حواس کے مختلف کاموں کے بارے میں گروہ میں گفتگو کیجیے۔

۲۔ استاد کی اہمیت سے متعلق کوئی واقعہ معلوم کر کے اپنی جماعت میں سنائیے۔

سیر بین

ہیلن کیلر کی زندگی پر بنائی گئی فلم کی سی ڈی حاصل کر کے جماعت میں دیکھیے۔

سرگرمی / منصوبہ:

ہندوستان کے کن لوگوں کو 'نوبیل پرائز' ملا ہے؟ ان کے نام معلوم کیجیے۔ اس کے لیے آپ انٹرنیٹ کا سہارا لے سکتے ہیں۔

https://archive.org